

احساسات کا ڈکار تھی۔ لیکن جینی کے خدشات کسی حد تک درست تھے۔ اسے جینی تھا کہ سنان اسے صرف اس لیے ملنے نہیں آیا تھا کہ اسے اس کے پیشے سے فرنٹ تھی حالانکہ وہ غلطی پر تھی۔

”میں نے کسی اور مجھ پر کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنا ارادہ نہیں بدلا تھا“ سنان صورت سے اٹھ کر رہا ہوا۔

”پھر کیوں نہیں آئے تم؟“ جینی کی آواز بھرائی ہوئی تھی ”ایسی لے نا کہ میرے ساتھ چلتے ہوئے تفحیک ہوتی تھا میری! لوگ الگیاں اٹھاتے کہ ایسے قبول صورت مشقی نوجوان کو پورے پیرس میں صرف ایک ”بیری“ لڑکی ہی پسند آئی۔“

سنان جینی کے پاس چلا گیا۔

”مجھے پاسکل مل گئی تھی“ سنان نے جینی کو اندر میرے میں رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ ”کون پاسکل؟“ جینی کی آواز اتنی بلند تھی کہ سنان چوک گیا۔

”تمارے جیسی ہی ایک عام سی لڑکی؟“

”میرے مجھے ہوتی تو تم مجھے چھوڑ کر اسے ملنے کیوں چلے جاتے؟“

”میں اسے ملنے نہیں کیا تھا بلکہ وہ مجھے مل گئی تھی۔“

”کون ہے وہ؟“ جینی کی آواز اب دھم پڑ گئی تھی۔

”میں نے کہا تھا تمارے جیسی ایک عام سی لڑکی“ سنان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کما اور پھر اسے سینہ سے لے کر شاہزادے لیزے پر اتفاقاً ملاتا تک کے تمام واقعات تفصیلاً ”سادیئے۔

کافی تیار ہو چکی تو وہ پھر واپس صوفی پر آکر پیش گئے۔

”اپاچ ہے بے چاری!“ جینی کے لبھے میں حقارت کی بجائے ہمدردی تھی۔

”ہاں ہے“ سنان نے قدرے بختی سے کہا ”لیکن میرے لیے نہیں۔ وہ بہت ابھی لڑکی ہے جینی! بست ہی اچھی۔“

”لا آمور!“ جینی نہ دی۔ اس کی ہنسی میں طنز کا پہلو تھا۔

کیا مطلب؟"

"ہر آمور۔ یعنی محبت!"

"نہیں ایسا تو نہیں" سنان سمجھدے ہو گیا "اور پھر ہو بھی سکتا ہے۔ میں اس
ذنب سے آفنا نہیں ہوں جواب کچھ کہہ سکوں۔"
جینی نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے کافی چلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد سراخا
کرنے لگی۔

"موسیقی سنو گے؟"

"نہیں اس وقت نہیں"

"تمہیں تو ستار بجھ پسند ہے؟"

"ہاں ہے۔ لیکن تمہارے پاس تو صرف ایک ہی ریکارڈ ہے جسے بار بار سن کر
میں آتا چکا ہوں۔"

"جس طرح تم پاسکل سے بھی آتا جاؤ گے!"

سنان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ ابھی چد لمحے پیشہ اس لوگی نے پاسکل کا نام کس
ختار سے لیا تھا۔ پھر ہدروی کی منزل آئی اور اب وہ پھر اپنے دل میں چھپے ہوئے
ذنبہ حسد کا انہصار کیسے بغیر نہیں رہ سکی۔

"اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی جینی! تمہیں معلوم ہے کہ میں سیاح ہوں۔ چد
دوسرے پیرس میں قیام کرنے کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا"

"ہونہ! چلے جاؤ گے" جینی نے لب سکیڑ کر کہا "تم جس طرح پاسکل کا نام لیتے
ہو اس لمحے سے ہی میں جان گئی ہوں کہ تمہیں اس سے شدید محبت ہے اور تم کبھی
بھی پیرس چھوڑ کر نہیں جا سکو گے۔"

"تم غلطی پر ہو" سنان نے یہ نفرہ بڑی مشکل سے ادا کیا۔ اس کے دل کا چور
دہائی دے رہا تھا کہ جینی ٹھیک کرتی ہے۔
"جس" جینی نے ایک مخصوص ادا کے ساتھ بن کر کہا۔

”سیئر میں ملاقات کے بعد آج ہم پہلی مرتبہ ملے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ ٹھیک ملاقاتوں میں ہی ایسا جذبہ ابھر نہیں آتا۔ اس کے لیے تو وقت درکار ہے۔“

”سان“ جینی نے کافی کی پیالی میز پر رکھ دی ”تم نے ابھی خود اعتراف کیا ہے کہ تم ان معاملوں میں ناتجربہ کار ہو۔۔۔ لیکن میں۔۔۔“ جینی نے بے تحاشہ ہنسنا شہزادہ کر دیا جیسے وہ اپنے آپ ازت دنا چاہتی ہو۔۔۔
سان خاموش رہا۔

کچھ دیر بعد جب وہ اپنی نہی پر قابو پانے کی کوشش میں کامیاب ہوئی۔ تو پھر کہ شروع کیا ”تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ میری جیسی عورت ان معاملوں کو خوب سمجھتی ہے نہ سمجھے تو بھوکوں مرے۔ محبت جیسے جذبے کے لیے وقت کی قید نہیں ہوتی ملک موسائیری!“

”کافی کے لیے ٹکریہ“ سان نے پیالی میز پر رکھ دی اور صوفی سے اٹھ کر ادا کیا
”مجھے کل صبح کیسی جانا ہے۔“

”واہ! کیسی جانا ہے؟“ جینی نے تنخی سے کہا ”پاسکل کو ملو گے؟“

”ہاں ملوں گا“ سان نے جھلا کر کہا ”تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟؟“

”ڈارلنگ میرے پیشے میں تو اعتراض کے لفظ کی گنجائش ہی نہیں۔“

”اور مجھے ڈارلنگ جیسے فضول لفظ پسند نہیں۔“

”سوری ڈارلنگ“ جینی نے آنکھیں منکھا کر کہا ”عادت سی ہو گئی ہے۔ ہام تو“
ایک کا یاد نہیں رہتا۔ بس ڈارلنگ سے ہی کام چل جاتا ہے۔“

”شب بیٹر“ سان نے نہایت غصے میں دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر کل کیا
وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جانے کو تھا کہ پھر جینی کی آواز آئی۔

”سان“

”کیا ہے؟“

”کیا پاسکل خوبصورت ہے؟“

نہ بے اختیار مسکرا دوا اور جواب دیے بغیر اپنے کمرے میں آ کر سوئا۔

○○○

دوسری صبح جب سنان کی آنکھے کھلی تو ادھ کھلی کھڑکی میں سے دھوپ اس کے سرہانے تک آ رہی تھی۔ وقت دیکھا تو گیارہ بجتے کوئی تھے۔ اس نے جلدی سے شیو بنائی۔ چہرے پر چار چینٹے مارے اور کپڑے بدلتے لگا۔ وہ ڈالی وغیرہ باندھنے کا تردد نہیں کرتا چاہتا تھا چنانچہ اس نے بند گلے کا سفید سویٹر اور اس کے ساتھ نیلا کوٹ پہن لیا۔ کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے تمام ضروری اشیاء گن کر اپنی جیبوں میں ڈال لیں۔ ان میں سے اگر کوئی چیز بھی اس کی جیب میں نہ ہو تو وہ سارا وقت ادھورا سما محوس کرتا رہتا تھا اور یہ چیزیں کیا تھیں؟ سگرٹ کا پیکٹ، لائٹر، رومال، دھوپ، ڈاچشہ، پین، کیمرو اور پاسپورٹ۔ پاکستان میں جب بھی وہ اپنے ایک عزیز دوست سعادت کے گھر جاتا تو وہاں سے آتے وقت وہ ہمیشہ اسے یاد دلاتا۔ ”یار سنان اپنے گن کر یہاں سے لے جانا ورنہ آدمی رات کو آ کر لگاتا رہتی۔ Bits And Pieces

بجا شروع کر دو گے کہ ہائے میرا رومال آج یہاں رہ گیا تھا۔“

وہ باہر نکل کر اپنا کمرہ مغلل کر رہا تھا کہ حسب دستور جیسی کا دروازہ کھلا۔

”نیلے کوٹ میں بے حد اچھے لگ رہے ہو۔“ جیسی نے چھیڑا۔

سنان نے کمرے کی چابی جیب میں ڈالی اور نیچے اترنے لگا۔

”سازھے گیارہ بجے صبح ہوتی ہے تمہاری؟“ وہ اسے ٹک کرنے پر ٹلی ہوئی تھی۔

”تمہیں اس سے مطلب؟“ سنان نے چڑ کر کہا۔

”بے چاری انتظار کر رہی ہو گی۔“

وہ میرے حیاں اترنے لگا تو جینی بھی ساتھ ہی آگئی۔

”کافی تو پیتے جاؤ“

”نہیں۔“

”تمہارے اپنے ڈبے کی ہے۔“

”نہیں مجھے جلدی ہے۔“

”پلیز ڈارلنگ۔“ جینی نے ڈارلنگ پر نور دیتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔
سنان نے جواب نہ دیا۔

”ڈارلنگ سنان“ اس نے سنان کا کندھا پکڑ کر بے حد پیار سے کہا۔

سنان جل کر رہ گیا اور اس کا ہاتھ ہٹا کر کھینچنے لگا۔ ”تم اپنے ”کام“ پر کیوں نہیں
مکہیں؟“

”میرے ”کام“ کے اوقات کارتوں بجے رات کے بعد شروع ہوتے ہیں۔“

”کم از کم تیاری ہی شروع کر دو۔“ سنان نے منہ بنا کر غصے سے کہا۔ ”لپٹ سٹک

اور غازے کی موٹی ٹیکیں جمانے کے لیے بھی تو خاصا وقت درکار ہوتا ہے۔“

”ٹھنے دینے کی کیا ضرورت ہے۔“ جینی بھی غصے میں آگئی۔ ”چلی جاتی ہوں۔

دیے کافی پی جاتے تو موڑ بہتر ہو جاتا۔“ اور پاؤں پٹختی ہوئی واپس اپنے کمرے میں چلی
گئی۔

سنان نیچے ہال میں آیا تو وہاں میڈم ٹری یا اس کی ماں کا دور تک نشان نہ
تھا۔ البتہ طوطے کا چبھرو کونے میں رکھا تھا۔ طوطا شاید اب اس کی موجودگی کا عادی ہو
چلا تھا اس لیے خاموش رہا۔ بالکل ٹھیں ٹھیں نہ کی۔ اس کا گنجائی سرد کیکہ کر سنان کے دل
میں چپت لگانے کی خواہش بیدار ہوئی مگر پھر اس نے اپنے آپ کو اس احمقانہ خیال پر
ہمن طعن کی اور مکان سے باہر آگیا۔

گلی میں آکر وہ سکرے کر کے کلیسا کی جانب چل دیا۔ اسے کسی ٹیکسی کی تلاش
نمی۔ راستے میں ”قتوہ خانہ پکال“ بھی پڑتا تھا جسے دیکھ کر اسے مصور پال یاد آگیا اس

نے سوچا کہ ہیرس سے رواگی سے قتل وہ ایک مرتبہ اسے ضرور ملنے جائے گا۔
وہ خاصی دیر تک چوک میں کھڑا رہا مگر وہاں جو بھی تیکسی نظر آئی مسافروں سے ہوتی۔ بالآخر وہ نیولی کے پل تک جانے والی ٹرام پر سوار ہو گا۔ کم خرچ بالآخر تک
مچھلی شب پاسکل کے فلیٹ سے موارت تک جتنے پیسے تیکسی کے کرائے پر اٹھ گئے
اتی رقم میں وہ بخوبی اگلے تین ماہ کے لیے ٹرام کی سواری کر سکتا تھا۔ چونکہ یہ دفعہ
اوقات نہ تھے اس لیے ٹرام پر زیادہ رس نہ تھا اور آخر شصتیں خالی پڑی تھیں۔ سنان
کے ساتھ ایک مرد قسم کی بوڑھی عورت براہمن تھی جس کی الگیوں میں ایک مہا
سگار تھا اور اس کی گود میں ایک نہایت ہی فریہ قسم کا کتا بڑے مزے سے بیٹھا ہوا تھا
تموڑی دیر بعد کتنے سنان کے ساتھ دوستائے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کا آغاز
کر دیا۔ اس نے بڑے آرام سے اپنی گیلی تھوڑتھی سنان کی گود میں رکھ دی اور خروز
کرنے لگا۔ کتنے کی اس حرکت پر بوڑھی عورت نے مسکرا کر سنان کی طرف دیکھا
سنان بھی اخلاقاً ایک چھپکی سی مسکراہٹ اپنے لبیں پر لے آیا۔ یہاں تک تو نیز
مگر ری گر کتے کو شاید سنان کا اونٹ کوٹ پسند ہلکا تھا اس لیے وہ اپنی مالکن کی گود سے
مکمل طور پر نقل گود کر کے اس کی گود میں آبیٹھا اور باقاعدہ اس کا منہ چانے کی
کوشش میں مصروف ہو گیا۔

سنان کو ذاتی طور پر کتے بے حد پسند تھے۔ اگر وہ اس سے کم از کم ایک
فرلاںگ کے فاصلے پر ہوں تو! ادھر یہ وابحیات قسم کا کتا کچھ زیادہ ہی فری ہو رہا تھا۔
اس نے اپنے چہرے کو کتنے کی گیلی تھوڑتھی سے بچاتے ہوئے اسے ہاتھ سے پہ
کرنے کی کوشش کی۔

”اوٹسوں ایسا نہ کرنا۔“ بوڑھی عورت نے سگار کا ایک لمباں لگایا اور پھر مسکرا
دی۔ ”بڑی جلدی برا مان جاتا ہے اور پھر کاٹ لیتا ہے۔“

”کاٹ لیتا ہے۔“ کے الفاظ پر سنان کے ہاتھ پاؤں مھنڈے پڑ گئے۔ سڑکے
دوران میں اسے ایک دو مرتبہ نہایت خطرناک جانوروں سے بھی واسطہ پڑا تھا مگر اس

بادے میں وہ بے حد بیڑ را تھا۔ البتہ کتوں کا معاملہ بالکل جدا تھا۔ ادھر کسی
کتنے لئے آہستہ سے ”بیخ“ کر دی اور ادھر سنان کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے۔ جیسے عام
لوں کا ذہن ڈریکولا اور فر۔ لکٹنسٹائن وغیرہ کی خوفناک کہانیاں پڑھ کر راتوں کو سو نہیں
کئے اسی طرح سنان کی نیندیں پھر سیخاری کا مضمون ”کتے“ پڑھنے سے ہی حرام ہو
جاتی تھیں۔

”تم بے حد خوش قسمت ہو۔“ بوڑھی عورت کہہ رہی تھی۔ ”ڈوکی ڈوکی کبھی
کسی اجنبی کے ساتھ اتنی جلدی فری نہیں ہوا۔“
ڈوکی ڈوکی شاید کتے کا نام تھا۔

”جی! بے شک۔“ سنان نے لرزتے ہوئے کہا۔ ”میں اپنی خوش قسمتی پر نازار
ہوں۔“ کتے سے پیچا چھڑانے کی غرض سے وہ ایک شاپ پہلے ہی اتر گیا۔ اس کے
چہرے پر لگائے ہوئے قیمتی آفٹر شیو لوشن کا سیتاہاس ہو چکا تھا اور اب اس کے کوٹ
میں سے کسی بیلی کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

سنان پاسکل کے مکان کے سامنے پہنچا تو لوہے کے سفید چھانک کے پہلو میں ایک
چھوٹا سا دروازہ تھا جو زرا سادھلیت سے کھل گیا اور سنان باشپیے میں آگیا۔ چمکتی
دھوپ میں نہایا ہوا سفید مکان بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔
”سنان“ کمیں دور سے ایک آواز آئی۔

اس نے نظر انھا کر دیکھا تو پاسکل اپنی کھڑکی میں بیٹھی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ کھڑکی کا
شیشہ بند ہونے کی وجہ سے اس کی آواز بے حد ددم تھی۔ اس نے جو ابا ہاتھ ہلا دیا اور
صدر دروازے میں سے گزر کر لکڑی کی پر پیچ سریڑھیاں طے کرتا ہوا پاسکل کے قلیٹ
کے دروازے پر آگیا۔ وہ ٹھنٹی بجانے کو تھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا اور آنکھ جھکتے
ہی پاسکل کے دونوں بازو اس کی گردان میں جماگل تھے۔

سنان اس والہانہ استقبال کے لیے قطعاً تیار نہ تھا اس لیے قدرے بوکھلا گیا۔

اس نے پا سکل کے دنوں ہاتھ پکڑ کر گردن سے علیحدہ کیے۔ جب سے روایل ٹالار ماتھے پر سے پینے کے قطرے پوچھے اور کہنے لگا۔

”ویکھو۔۔۔ وہ میرا مطلب ہے تمہاری خالہ کیا کہیں گی؟“

”خالہ گھر پر نہیں ہیں۔۔۔“ پا سکل نے محمل کر کما اور پھر آگے بڑھنے کو تھی کہ ملائے اسے وہیں روک دینے کے لیے اپنی ہتھیلی اس کے ماتھے پر رکھ دی۔ ”یہ تم کل فائنسنگ کے انداز کماں سے یکہ لیے ہیں؟“

پا سکل اس کا بازو تھام کر قلیث کے اندر لے آئی۔

”میں صبح آٹھ بجے سے اپنی کھڑکی میں بیٹھی تمہارا انتقال کر رہی تھی۔ تم اتنی بڑی تک نہ آئے تو میرے دل پر ایک مرتبہ پھر احساس محرومی کی تھیں بیٹھنے لگیں۔ اسی لیے تو میں تمہیں دیکھ کر اتنی خوش ہوئی ہوں۔“

”خالہ کماں ہیں؟“ سنان خالہ کے بارے میں تسلی کر لینا چاہتا تھا۔

”خالہ صبح سے دفتر گئی ہیں۔ پانچ بجے لوٹیں گی۔ ان کے دو بچے اپنے سکول کے ساتھ جنوبی فرانس کی سیر کو گئے ہیں۔ دو ہفتے بعد آئیں گے اور خالو۔۔۔ فوت ہو چکے ہیں۔۔۔ کبھی نہیں آئیں گے اور کچھ؟“

سنان نے اطمینان کا سانس لیا۔

”بآہر چلیں؟“ اس نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔ دراصل وہ پا سکل کے ساتھ اس قلیث میں بالکل اکیلے رہنے سے گھبرا رہا تھا۔

”آج باہر نہیں جا سکتے۔۔۔“ پا سکل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوف پر بٹھا دیا۔ ملا فوراً اٹھ کردا ہوا۔ ”لیکن آج تو باہر بے حد خوشگوار موسم ہے۔ چمکتی دھوپ ہے۔۔۔ سر بزد درخت۔۔۔“

”خالہ پانچ بجے واپس آئیں گی۔ بھلا میں ان کی غیر موجودگی میں باہر کیسے جائیں گا۔۔۔ وہ خواہ خواہ پریشان ہوں گی۔ میں ہیشہ ان کو بتا کر باہر جاتی ہوں۔“

”ایک کانفرنس پر ان کے نام پیغام لکھ کر یہاں میز پر رکھ جاؤ۔“

”آج باہر نہیں جا سکتے۔“ پاسکل نے بچوں کی طرح سرہا یا۔
”لیکن آج دھوپ چمک۔“

”میں اپنے کرے کی بڑی کمرنگی کھول دوں گی۔ دھوپ پورے کرے میں پھیل
جائے گی اور وہاں سے تمہیں درخت وغیرہ بھی نظر آجائیں گے۔“
نان چمک سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”کیا خواہ مخواہ منہ بنا کر بیٹھ گئے ہو۔“ پاسکل اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ نان میں
خود اتنے خوبصورت موسم میں باہر جانا چاہتی تھی مگر آج میرے ٹھنڈے میں شدید درد ہو
رہا ہے۔ مجبوری ہے۔“

”کیا یہ درد پچھلی شب زیادہ چلنے کی وجہ سے ہوا ہے؟“ نان کے لبجے میں
تشویش تھی۔

”ہاں۔۔۔ مجھے اس وقت بھی ہلاکا ہلاکا درد انٹھ رہا تھا مگر میں نے تمہیں بتانا
مناسب نہ سمجھا۔“

”پتا دیا ہوتا پاسکل!“

”نان کل میں اتنی خوش تھی کہ اگر میں تمہارے ساتھ چلتے چلتے دیں میں کے
کنارے گر کر مر بھی جاتی تو مجھے ملال نہ ہوتا۔“

”کیا درد سے تمہیں بہت تکلیف ہوتی ہے؟“

”تکلیف تو ہوتی ہی ہے۔ آج صبح غالہ مجھے ڈاکٹر کے ہاں لے گئی تھیں۔ اس
لے مجھے اگلے چند روز کے لیے مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے۔“ پاسکل نے
دیگر سے اپنا سرہان کے کندھے پر رکھ دیا۔ ”اس طرح کا آرام۔“

”ہاں ضرور۔“ نان سنجیدہ ہو کر کنٹے لگا۔ ”پاسکل مجھے افسوس ہے کہ صرف
میری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف اٹھانا پڑی ہے۔“

”نہیں نہیں ایسا نہ کہو۔ تمہاری وجہ سے ہی تو میں اس شدید درد کو برداشت
کرنے کے قابل ہوئی ہوں ورنہ عام طور پر تو میں اس حالت میں اپنے بستر پر ہی پڑی
کر دیں۔“

رہتی ہوں۔“

”اس کا علاج نہیں ہو سکا کیا؟“

”نہیں۔— خادٹے کے بعد میں چند ماہ ہسپتال میں رہی اور پھر پورا ایک مل ڈاکٹروں کے زیر نگرانی اپنے گمر میں۔ پھر ڈیڑی نے مجھے ہارلے سٹیٹ کے اپر سپیشلٹ کو بھی دکھایا مگر اس نے بھی جواب دے دیا۔ ویسے درد کی شدت کو کم کر کے لیے میں روزانہ تین گولیاں کھاتی ہوں اور ہفتے میں دو مرتبہ اچھشن بھی گلوں ہوں۔“

”مجھے افسوس ہے“ سنان اور سچھنہ کہہ سکا۔

”پھر وہی افسوس۔— ہدردی۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ آؤ میں جیسیں اپنا کرو و کھاتی ہوں۔“

سنان صوفی سے اٹھنے کو تھا کہ اس کے سامنے پاسکل نے اسے کندھے سے کھا کر ایک دم پھر پیچھے دھکیل دیا۔ ”اور یہ کیا ہے؟“ اس نے سنان کے کوٹ میں الہ ہوا بھورے رنگ کا ایک لمبا بال نکالتے ہوئے غصے سے پوچھا۔

”پتہ نہیں کمال سے آگیا۔“ سنان خود حیران رہ گیا۔

”اس کا مطلب ہے اس کے بال بھورے رنگ کے ہیں۔“ پاسکل کا چڑو نہیں تھا تما رہا تھا۔

”کس کے بال۔۔۔؟“ سنان نے پریشان ہو کر کہا۔

”اسی چڑیل کے جسے تم تھوڑی دری پسلے گلے سے چھٹائے بیٹھے رہے ہو۔۔۔ بال کسی بوکی کا ہے۔“

”بھی کمال ہے۔۔۔“ سنان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کم بخت بال کمال ہے۔ واقعی کسی بوکی کا لگتا تھا۔

”جی ہاں کمال ہے۔“ پاسکل نے انگلیاں نچا کر کہا۔ ”میں بھی کوئی مبہ استقبال سے تم اتنی بڑی طرح بوكھلا کیوں گئے تھے۔“

پا سکل یقین کرو۔“ نان لے سمجھائے کی کوشش کی گراس کا غصہ تو تمنے میں یعنی نہ آ رہا تھا۔

میں کسے یقین کر لوں۔ تمہارے کوٹ پر گلے کے قریب کسی خوبصورت اور خراب ٹھم کی لوگی کا بال اس بات کی گواہی دتا ہے کہ تم ابھی ابھی۔“ پا سکل کی آواز شدت جذبات سے بیٹھے چلی تھی۔ اور پھر۔ اور پھر اس چیل کو میری طرف سے یہ بھی تباہ دکا کہ وہ نہایت واہیات ٹھم کا سینٹ استعمال کرتی ہے۔ تمہارے کوٹ میں سے عجیب ٹھم کی بو آ رہی ہے۔“

”ہبڑا؟“ نان چوک کیا۔ ”اور بھورا بال۔“ اس کو یاد آگیا کہ ڈرام میں جو کتنا اس کی گود میں لوٹا رہا تھا اس کا رنگ بھورا تھا۔ وہ بے تحاشا ہنسنے لگا۔

”اس میں یوں دانت نکالنے کی کون سی بات ہے؟“ پا سکل نے سچ کر کہا۔ ”بھی بات ہی ایسی ہے۔“ نان اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ”دراصل یہ بال اور یہ عجیب ٹھم کی بو ایک کتے کی ہے جو ڈرام میں میری گود میں آ بیٹھا تھا۔“

”کتے کی؟“ پا سکل نے بے یقین سے اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں ہاں کتے کی۔ یہ بڑا سارا بھورے رنگ کا گد گد اکتا!“

”نہار ہے ہو۔“ پا سکل کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

”پا سکل سچ کرتا ہوں۔ اگر اس کم بخت بوسھیا نے مجھے یہ کہہ کر ڈرانہ دیا ہوتا کہ کلا کلتا بھی ہے تو میں اسے اخھا کر ڈرام سے باہر پھینک دیتا۔“

نان نے اسے پوری تفصیل بتائی۔

”اچھی کہانی گھری ہے۔ بہر حال۔ میں یقین کر لیتی ہوں۔“ پا سکل مسکرا دی۔ ”ہم شاید تمہارے کمرے کی جانب بیٹھ رہے تھے۔“ نان نے ایک مرتبہ پھر صوف سے الحستہ ہوئے کہا۔

پا سکل نے آگے بیٹھ کر اس کا بازو تھام لیا اور قلیٹ کے درمیان میں یعنی واقع

تمن چھوٹی چھوٹی سی رسمیاں ملے کر کے وہ ایک خوبصورت کمرے میں آگئے جس کی
کمڑ کی سڑک کی جانب کھلتی تھی۔

”خوش آمدید“ پاسکل نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ ”تم میرے کر سامنے
آئے والے پہلے مہمان ہو۔“

”عزت افرانی کا شکریہ۔“ سنان کمر تک جمک گیا۔

کمرے کی نئیں سجاوٹ اس کے لکین کے سلیجے ہوئے نوق کا پتہ دیتی تھی۔ ہم
ہونے کے باوجود اس میں ایک نوجوان لڑکی کی ضروریات کا تمام سامان موجود تھا۔
فرانسیسی طرز کی سفید کھڑکی کے ایک طرف ڈرینگ نیبل تھی جس پر سوائے ایک
قیمتی سینٹ کی بو تکوں اور چاندی کی نیمی ہوتی لکنگی کے سوا کچھ نہ تھا۔ کھڑکی کی لادن
طرف ایک سفید رنگ کا پنگ کا پنگ تھا جس پر ایک صاف سترا بستر بچھا تھا۔ پنگ اور
ڈرینگ نیبل کے درمیان ایک آرام دہ کرسی تھی جس کا رخ کھڑکی کی طرف تھا۔
کمرے کے ایک کونے میں کتابوں سے بھرا پرا ایک شیفت تھا جس کے اوپر اپنے
ریکارڈ پلیسٹ اور متعدد ریکارڈ نمایت سیلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔

پنگ کے ساتھ دیوار پر مختلف رسالوں میں سے کافی ہوتی تصویریں چکن ہوئی
تھیں۔ ان تمام تصویریوں میں ایک چیز مشترک تھی۔ حرکت! برف پر چھلتی ہوئی کہا
نوجوان لڑکی، پیرا کی کے مقابلے کی تصاویر، کاروں کی دوڑ کی متعدد تصویریں، اپنے
دوڑوں کے مختلف زاویے اور پھر رقص کے بے شمار انداز۔ خاص طور پر روس کی بڑی
ناز بیلے رینا اولانووا کے بیلے رقص کی بے شمار تصویریں۔ یہ تمام تصویریں پاسکل کا
محرومی کو اجاگر کر رہی تھیں۔ وہ زندگی میں جو چیزیں خود کرنے سے محروم تھی ان کی
تصویریں دیوار پر سجا کر وہ اس کی کو پورا کرنا چاہتی تھی۔ تصویریوں کے درمیان میں
دنیا کا ایک بڑا نقشہ ڈینا ہوا تھا اور نقشے کے عین اوپر دو جھنکے لٹک رہے تھے۔
کے جھنکے۔

”جمم۔۔۔ کے۔۔۔ ہاں؟“ پاسکل نے خوش ہو کر سرہلایا۔

”ہیں جیسے۔۔۔ واقعی پاکستانی ہیں۔۔۔ بلوچستان کے محراوں کی خانہ بدوش لڑکیوں
کے جیسے۔۔۔“

”جی؟“ پاسکل نے مخصوصیت سے پوچھا۔

”بالکل جی“

”پہن کر دکھاؤں“

نان نے اثبات میں سرہلا دیا۔

پاسکل نے فوراً اپنے جوتے اتارے اور پنگ پر چڑھ کر دیوار سے لٹکے ہوئے
جمکے اتار لیے۔ نان نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا اور وہ سارا لے کر نیچے اتر آئی۔

”تم ہی پہنادو۔۔۔ تمیں تو معلوم ہو گا کہ انہیں کیسے پہنتے ہیں۔۔۔“

”بھی اتفاق تو نہیں ہوا۔۔۔ بہر حال کوشش کر دیکھتا ہوں۔۔۔“ نان نے نہ کر کما
اور پھر جمکے پاسکل کے کانوں میں ڈال دیئے۔۔۔ جھمکوں کے ساتھ گلپ لگے تھے۔۔۔

یورپ میں بے شمار لڑکیاں مشرق کے دیدہ زیب لباس اور زیور سے مرعوب ہو کر
انہیں اپنانے کی کوشش کرتی ہیں جس کا نتیجہ نہایت مھمکہ خیز صورت میں برآمد ہوتا
ہے۔۔۔ اگر سازہ میں پہنی تو ایک پروقار چال کی بجائے اسی طرح دڑکنے مارتنی ہوئی چلیں
گی جیسے منی سکرٹ پہن رکھا ہو۔۔۔ ماتھے پر تلک لگانے کا شوق چرایا تو وہ خوبصورتی میں
انداز کرنے کی بجائے سرذک پر گلی ژیفک کی سفید لکیوں سے مشابہ رکھتا ہے۔۔۔ مگر
پاسکل ان جھمکوں میں بالکل اجبی نہیں لگ رہی تھی۔۔۔ اس کے گول چہرے اور کئے
ہوئے بالوں کے ساتھ یہ جمکے بے حد بھلے لگ رہے تھے۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ان کو
پہنچنے کی عادی ہو اور ان ہی جھمکوں کو پہنے ہوئے بچپن سے جوانی کی حدود میں داخل
ہو گئی ہو۔۔۔

”کیسے لگتے ہیں؟“ پاسکل اپنا چہرہ قریب لے آئی۔۔۔

”تم بھی ان میں ایک بلوچی خانہ بدوش لڑکی کی طرح لگتی ہو۔۔۔“

”میں نے سن رکھا ہے کہ تمہارے ہاں خانہ بدوش بہار کے ساتھ سرکرتے

ہیں۔ کیا یہ بچ ہے؟“ اس کا چوہ صرت سے دک رہا تھا۔

شان نے اسے ان کوچی خانہ بدوشوں کے بارے میں بتایا جن کا طویل سرمهہ
گہما میں روئی سرحد کے ساتھ بدختی سے شروع ہوتا ہے اور وہ کہہ ہندوکش کے
بلند درویں سے گزر کر کابل اور پھر درہ خیر کے راستے پاکستان میں داخل ہو جاتے ہیں
موسم سرما جملم اور ذیرہ اسماعیل خاں کے نواح میں گزار کر وہ موسم بہار میں پھر واپس
ان ہی راستوں پر چل کرٹے ہوتے ہیں۔

”تم بھی تو ان خانہ بدوشوں کی مانند بہار کے ساتھ سفر کر رہے ہو؟“

”ہاں۔ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ میں چند ماہ کے لیے دہن سے لکھاں
اور کوچی خانہ بدوشوں کا سفر پچھلے کئی ہزار سال سے جاری ہے۔“

”تمہاری واپسی کن راہوں سے ہو گی؟ پاسکل اداں نظر آ رہی تھی۔“

”یہ ہے فرانس۔“ شان نے آگے بڑھ کر دیوار پر لگے ہوئے دنیا کے نقشے پر الہ
رکھ دی۔ ”اور یہ ہے پیرس۔ میں یہاں سے ہسپانیہ کے لیے روانہ ہو جاؤں ا
اور۔“

”کب؟“

”بیتاً ہوں۔“ شان اپنے واپسی کے سفر کے حین تھیں میں کھو چاہنے
”ہسپانیہ میں قطبہ، اشیلے اور غرباطہ دیکھنے کے بعد میں سوئزیلینڈ سے ہوتا ہوا
آسٹریا چلا جاؤں گا۔ آسٹریا سے مشہور زمانہ اور نیشنٹ ایکسپریس مجھے تین دن کے طول
سفر کے بعد استنبول پہنچا دے گی۔ استنبول سے پھر میں گاڑی میں سوار ہو کر ارضِ بادا
چلا جاؤں گا اور پھر بس کے ذریعے تراں، کابل اور۔۔۔ لاہور۔“

”لاہو۔۔۔ ر۔۔۔“ پاسکل نے رک رک کر کہا۔ ”تمہارے شہر کا ہام گا
خوبصورت ہے۔“

”ہاں ہام کے علاوہ میرا لاہور اس کرہ ارض کا سب سے خوبصورت شہر ہے۔“
شان کی آنکھوں میں اپنے دہن جانے کی پیاس چمک رہی تھی۔

”یہیں سیاحوں کو تو وطن کی یاد نہیں ساتا۔ وہ تو ہمیشہ نئے افقوں کے ملاشی

ہوتے ہیں۔“

”تم شاید ٹھیک ہی کہتی ہو۔“ سنان پنگ پر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں ابھی تک نقشے پڑی ہیں۔“ میں خود اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا۔ اب تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں تو سیاح ہونے کی اولین شرط بھی پوری نہیں کر سکتا مجھے ہمیشہ وطن کی یاد ساتی رہتی ہے اور گھر واپس چکنے کی ترپ صرف اس شخص کے دل میں ہوتی ہے جس کی حد نہ گا محمود ہو۔ ہمارے ایک عظیم شاعر نے سیاح کو ایک ایسے مولے سے تفہیم دی ہے جو کونجوں کی مانند نئے افقوں کی خلاش میں پرواز کر جاتا ہے اور اس کی پرواز یہ سڑا سے ذات۔ صفات اور بھیس کے جھگزوں سے بے نیاز کر دتا ہے۔ میں ان تینوں کیفیتوں کو اپنے آپ سے الگ کرنے میں ناکام رہا ہوں۔“

”میں بھی شاید کسی روز کونجوں کی مانند پرواز کر کے تمہارے پاس لاہور پہنچ جاؤں گی۔“ پاسکل کا چہرہ تھتا رہا تھا اور اس کے لبجے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنی ولی خواہش کا انعام کر رہی تھی۔

سنان بُس دیا۔

”تب تک شاید وہ شہزادہ بھی آجائے جس کا تمیں انتظار ہے اور پھر تمیں ایک منیری بخبرے میں قید کر لے۔“

”میرا انتظار تو کب کا ختم ہو چکا۔“ پاسکل نے اپنی نیلی آنکھیں سنان پر جمادیں پیٹے کسی جواب کی منتظر ہو اور پھر آہستہ سے پنگ سے اٹھ کر کتابوں کے شیفت کی طرف چل دی۔ اس نے شیفت میں سے ایک کتاب نکالی اور دوسرے صفحے پر سخن پڑھ لے کر سنان کے حوالے کر دی۔ یہ وکرہ ہیو گو کا ناول ”نیغ بیک آف لورڈزِ ٹھا۔ کتاب کے دوسرے صفحے پر پاسکل کی خوبصورت طرز تحریر میں لکھا تھا۔

شہزادے کے نام

بد صورت لوگوں کو بھی محبت ایسے جذبے کی چاہت ہوتی ہے مگر ان کا

دل اس بات کو نہیں مانتا کہ وہ صرف اس وجہ سے محبت سے محروم کر دیے
جائیں۔

حدس کی پاسکل کی طرف سے پوار کے ساتھ

”وطنِ نوئے پر اسے ایک مرجب پھر پڑھنے کی کوشش کرنا۔ اس طرح
ایک اپاچ لوکی کے جذبات بھی یاد رہیں گے۔“ پاسکل نے سرجونا کر کما۔

”تمہیں اور تمہارے جذبات کو یاد رکھنے کے لیے مجھے کسی کتاب کا سارا
ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“ سنان نے اس کی تھوڑی تسلی الگی رکھ کر اس
اپنی طرف کیا۔ پاسکل کی نیلی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

”اوہ۔۔۔ میں بھی کتنی بے وقوف ہوں۔۔۔“ پاسکل نے اس کی الگی
ہوئے کما۔ ”تم میرے سہمان بن کر آئے ہو اور میں تمہیں کچھ پیش کرنا ہی بھو
تی۔ تم کھٹکی کے سامنے کری پر بیٹھو میں تمہارے لیے کافی اور سینڈوچ و فیررو
لاتی ہوں۔“

”خیال برا نہیں۔۔۔“ سنان نے کتاب میز پر رکھ دی اور اٹھ کر اہوا
بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔“

”ہمارا کچن بے حد چھوٹا ہے۔ اس میں دو آدمیوں کے کھڑے ہونے کی
نہیں ہے۔ تم یہیں بیٹھو۔“

”دل میں جگہ ہونی چاہیے۔“ سنان ایک گمسا پا قبرو دہرائے بغیر نہ رہ سکا۔
”کس کے دل میں؟ تمہارے یا میرے؟“ پاسکل نے شرارت سے کما اور
سے باہر نکل گئی۔

سنان کھٹکی کے سامنے پڑی ہوئی آرام وہ کری پر بیٹھ گیا اور سگٹ سلا
گا۔ اس کے سامنے فراضی طرز کی شیشے کی کھٹکی جس پر سفید رنگ کیا گیا تھا
سے لے کر چھت تک چلی گئی تھی۔ یہاں کری پر بیٹھے اسے کھٹکی کے نیچے

کے چہرے بھرے درخت اور چوڑے فٹ پاتھ کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ چند
نڑواں رسیدہ پتے فٹ پاتھ پر نکلے پڑے تھے۔ باہر ابھی تک تیز دھوپ چمک رہی
تھی۔

گرفت غتم کر کے سنان وہاں سے اٹھ کر کتابوں کے شیفٹ کے پاس آ کرنا ہوا
اور جمک کر کتابیں دیکھنے لگا۔ زیادہ تر کتابیں انگریزی اور فرانسیسی ادب سے متعلق
تھیں۔ آئندہ سوی، "سارتر"، "زولا"، "موبایں"، "ہیو گو"، "ہارڈی"، "ڈکنز"، مثمن سب یہاں موجود
تھے اور باہر کی شاعری۔ باہر جو اپاہج تھا۔ شیفٹ کے اوپر والا حصہ دیکھ کر وہ
قالین پر بیٹھ گیا اور نچلے حصے میں رکھی کتابیں دیکھنے لگا۔ اس اٹھا میں اس کی نظر
شیفٹ اور فرش کی درمیانی جگہ پر پڑی۔ وہاں دو نئی کھور بیساکھیاں پڑی تھیں۔ اسی
وقت پاسکل کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک نہایت خوبصورت ٹڑے
تھی جس پر کافی کے برتن اور کھانے کی چیزیں نہایت قرینے سے پچی تھیں۔

"کافی کے ساتھ میں نے پنیر اور ٹماٹروں کے سینڈوچ بھی بنالیے ہیں۔" اس نے
ڑے میز پر رکھتے ہوئے کہا اور پھر سنان کو کہی پر نہ پا کر شیفٹ کی جانب دیکھا۔ "کیا
اوہ رہا ہے؟"

"تمارے سلیجوے ہوئے ذوق کی داد دے رہا تھا۔" اس نے قالین سے اٹھتے
ہوئے کہا اور واپس کری پر آکر بیٹھ گیا۔

"میرے ذوق کی داد دینے کے لیے تو تمہیں صرف آئینہ دیکھنے کی ضرورت
ہے۔" پاسکل نے شرارت سے کہا اور اس کے برابر پنک پر بیٹھ گئی۔

"تمارے پاس بے حد اچھی اچھی کتابیں ہیں۔" سنان نے سنی ان سنی کرتے
ہوئے کہا۔

"ان میں سے اکثر غالہ کی ہیں۔"

پاسکل نے کافی کی پیالی بنائی کر سنان کو تمہادی اور پھر سینڈوچ زکی پلیٹ آگے کر
دی۔ سنان نے ایک سینڈوچ اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا اور کافی پینے لگا۔

”تم اس کرے میں بیٹھے بیٹھے آتا تو نہیں گئے سنان؟“

”نہیں۔“ سنان نے سر ہلاایا۔ ”تمہیں یہ خیال کیسے آگیا؟“

”بُل— مجھے لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا زیادہ تجربہ نہیں اور مجھے اور انداز گنگو نہیں آتا جو سو شل ہونے کے لیے ضروری ہیں۔“

”چونکہ میں بھی ان معاملوں میں کورا ہوں اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ نے مذاق سے کہا۔ ”ہاں البتہ کافی بے حد منیدار ہے اور سینڈوچ بھی نہایت خاص طور پر جب میں انہیں ناشتے کے طور پر کھا رہا ہوں۔“

”ناشته کے طور۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے بارہ بجے تک ناشتہ ہی تھا۔“ پاسکل نے اپنی پیالی میز پر رکھ دی اور پنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میں خانے میں جا کر فرج میں سے کھانے کی کوئی اور چیز ڈھونڈ کر لاتی ہوں۔“

”نہیں۔“ سنان نے پاسکل کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بستر پر بیٹھا دیا۔

ضرورت نہیں کیونکہ میں عام طور پر ناشتہ کرتا ہی نہیں۔ سز میں اس قسم کے بہت وقت ضائع ہوتا ہے اس لیے میں ووپر کو ہلکا سا سینک کھا کر صرف اچھی طرح کھانا کھاتا ہوں۔“

کافی ختم ہوئی تو پاسکل ٹرے اور برتن باورچی خانے میں چھوڑ آئی۔

”تم اس کرسی پر بیٹھو۔“ سنان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں پنگ پر ہوں۔“

”تم بیٹھے رہو۔“ پاسکل نے اپنی ہتھیلی سے اسے پیچھے کر دیا۔ ”سنان! اس بیٹھ بیٹھ کر میں آکتا چکی ہوں۔“ تم اس کھڑکی سے پرے شاہ بلوط کے چند درد فٹ پاٹھ کا ایک حصہ دیکھ رہے ہو نا! میں انہیں برسوں سے دیکھ رہی ہوں اسی میں بیٹھنے کے درد کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معدود ہو جاتی ہوں تو پھر کرسی پر بیٹھ کر باہر نکلتی رہتی ہوں۔ صبح خالہ ناشتے دے کر دفتر چلی جاتی ہیں اسی

اپنی ہاموں کے گرد کمبل پیٹ کر سارا دن یا تو کوئی کتاب پڑھتی رہتی ہوں اور یا پھر اس کھڑکی سے باہر خلا میں گھورتی رہتی ہوں۔ موسيقی کے ریکارڈ بار بار سن کر بھی میں آتی ہمیں ہوں۔ شام کو خالہ واپس آتی ہیں اور کھانے کے بعد مجھے ایک عدو گرم پانی کی بوٹ کے ساتھ بسترمیں لٹا کر میرے اوپر کمبل اوڑھا دیتی ہیں اور پھر دوسرا دن بھی میں ہوتا ہے۔“

”تم نے سیر پر مجھے ہٹایا تھا کہ تم کرمس تک یہاں رہتی ہو اور پھر واپس انگستان پلی جاتی ہو؟“ سنان نے موضوع بدلتے کی کوشش کی۔

”ہاں پچھلے چد سالوں سے تو ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے مگر پچھلے روز ڈیڑی ڈیڑ کا ڈھل آیا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ چھ ماہ کے لیے ایک بھلی گھر کی تیر کے سلسلے میں نیسا لینڈ چلے جائیں۔ اس صورت میں میں کرمس کے بعد بھی بیس اپنی خالہ کے پاس رہوں گی۔“

”پیرس کی کرمس بھی تو بڑی خوبصورت ہوتی ہو گی؟“

”ہاں۔“ پاسکل نے بے دلی سے کہا۔ ”میں ایک بڑا سارا اگرمس کا درخت اس کھڑکی کے سامنے رکھ دیتی ہوں۔ اسی جگہ پر جہاں اب تم بیٹھے ہو۔ درخت کی ہری بھری شاخوں کے گرد چھوٹے چھوٹے رنگ برلنگے قسمے اور شری جھالریں لٹکاتی ہوں۔ کرمس کی شب میں روشنی مگل کر دیتی ہوں تو درخت میں سے پھوٹنے والی رنگین روشنیوں سے یہی کمرہ ایک سحر انگیز روپ دھار لیتا ہے۔ پھر کبھی کبھی برف باری شروع ہو جاتی ہے تو اس کھڑکی سے نظر آنے والے شاہ بلوط کے درختوں کی شاخیں سفید اور اجلی برف کے بوجھ تلتے دب جاتی ہیں۔ پورے بارہ بجے جب سارا عجس برف کی سفید چادر میں لپٹا ہوتا ہے تو نئے منے بچوں کے گروہ ہاتھوں میں روشن موم ٹیکاں لیے بھاری اونی کپڑوں اور پھندنے والی گرم ثبوتوں میں ملبوس ادھر آنکتے ہیں۔ ان کے گول مٹول سرخ چرے ان بڑی بڑی موم ٹیکوں کی لو سے دک رہے ہوتے ہیں۔ پھر میں یہیں کھڑکی میں بیٹھی بیٹھی ان کے لیے رنگین کانٹزوں میں لپٹے